

آیرینٹن نومبر

موناشہزاد

کرونا وائرس نے ایک وبا کی شکل اختیار کر کے لاکھوں جانوں کو نگل لیا ہے۔ ابھی بھی اس کی تباہ کاریاں عروج پر ہیں۔ اس وائرس کو لے کر سب کے اپنے اپنے خیالات ہیں۔ کوئی اسے اللہ کی طرف سے آزمائش کہہ رہا ہے تو کوئی اسے انسانوں کی سازش مگر ان سب باتوں کے باوجود اس وبا نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

یہ کہانی بھی ایک سازشی پہلو کو نمایاں کرتی نظر آئے گی۔ مگر ہم اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔

کرونا وائرس پر موناشہزاد کی ایک چشم کشا تحریر

(کرونا نامی وبا کی اصلیت)

۳۰ اکتوبر ۲۰۱۹ کی ایک ٹھہرتی ہوئی شام تھی۔ ملٹی اسٹوری بلڈنگ خالی ہو چکی تھی۔ سکیورٹی گارڈز بھی جانے کی تیاریوں میں تھے۔ اچانک اسٹیو کے فون پر ایک میسج آیا۔ اس نے باقی سکیورٹی گارڈز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”چھ بڑوں کے استقبال کی تیاری کرو۔“

اس کے نیچے متعین چار سکیورٹی گارڈز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسمتھ نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اتنے طویل عرصے کے بعد آج بڑوں کو ملنے کا خیال کیسے آگیا؟“

اسٹیو نے اسے خشمگین نگاہوں سے گھورا۔ وہ سب تیزی سے پروٹوکول کے مطابق تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اسمتھ نے زبان دانتوں تلے دبالی وہ جانتا تھا کہ یہاں مزید سوال کرنے پر جواب میں ایک بلٹ کھوپڑی میں اتار دیا جاتا تھا۔



کہ چین کو مفلوج کر دیا جائے۔ مجھے دنیا بھر کے بوڑھوں سے نفرت ہے۔ یہ بوڑھے اپنی بھرپور زندگیاں بسر کر بیٹھے ہیں مگر ابھی تک مرنے پر تیار نہیں۔ ہمارے ملکوں میں لوگوں کی عمریں نوے سال تک پہنچ گئی ہے جس کے نتیجے میں یہ بوڑھے جو نکلیں بن کر ہمارے وسائل کو چوس رہے ہیں۔ ہماری حکومتوں کو فلاحی ریاستیں ہونے کے باعث اپنے وسائل کا بڑا حصہ ان پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ لگے ہاتھوں ان خون چوسنے والی جوکوں سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔“ سرغنہ نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور بولا۔

کمرے میں خاموشی سی چھا گئی۔ سیاہ نقاب پوش نے پھر ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

”تو طے پایا کہ ہم کیم نومبر سے آپریشن نومبر کا آغاز کریں گے۔“

”نیو ورلڈ آرڈر کے نام۔“ سب نے مل کر ایک قہقہہ لگایا اور ایک زبان ہو کر بولے۔

کمرے میں موجود نا دیدہ اٹلیس میز پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اس نے بہت فخر سے اپنے نقاب پوش حواریوں کو دیکھا اور زور و شور سے تالیاں پیٹنے لگا۔ اس نے اپنے فریب پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”میں بچوں جیسے انسانوں کی موجودگی میں مجھے محنت نہیں کرنی پڑتی۔ آرام کر کر میری فٹنس متاثر ہونے لگی ہے۔ میں نے تو صرف تم لوگوں کو ایک راستہ دکھایا تھا تم لوگ کس قدر عمدگی سے راستہ اختیار کر چکے ہو۔“

نقاب پوش مختلف دروازوں سے میٹنگ روم سے نکل چکے تھے۔ صرف اٹلیس اکیلا میز پر تھرکنے میں مصروف تھا۔ اسٹیو نے میٹنگ کے اختتام کے بعد میٹنگ روم میں جھانکا، اسے میٹنگ روم کا سناٹا بہت کچھ بولتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی روح پر خوف نے نیچے گاڑ لیے۔ اس نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔



وہ ہوائی جہاز میں بیٹھا درزیدہ نظروں سے اپنے ہم سفر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کا ہر ہم سفر اسے ملاستی لگا ہوں سے گھور رہا تھا۔ اس نے اپنی پیشانی پر آئے پسینے کو رومال سے صاف کیا۔ اچانک چینی فضائی میزبان اس کے قریب آئی اور کچھ کہنے لگی۔ اسے لگا جیسے اس نے اس کے

کمرے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میز کے ارد گرد بیٹھے چھ بڑوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ ان کی شناخت ایک دوسرے سے پوشیدہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لئے یکسر انجان تھے مگر درحقیقت ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ اجلاس اپنے اختتام کو پہنچنے والا تھا۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ایک دوسرے کو بریفنگ دے رہے تھے۔

”جینفل مین! کیا آپ سب میری تجویز سے متفق ہیں؟“ امریکن لہجے میں انگریزی بولتے ہوئے ایک بڑے سیاہ نقاب پوش نے کہا۔

”نیو ورلڈ آرڈر کے لئے ضروری ہے کہ تمام مناسب اقدامات اٹھائے جائیں۔“ دوسرے بڑے سرخ نقاب پوش نے برطانوی لہجے میں انگریزی بولتے ہوئے کہا۔

”کیا اتنی جانوں کا ضیاع اس نئے ورلڈ آرڈر کے قیام کے لئے ضروری ہے؟“ تیسرے بڑے نے سر اٹھایا اور دہلی زبان میں بولا۔

ایک لمحے کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سب نے جواب طلب نظروں سے میز کے اختتام پر بیٹھے بڑے کی جانب دیکھا، جو سب کا سرغنہ محسوس ہوتا تھا۔

”ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کے لئے چند لاکھ جانوں کا نذرانہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر جنگ اپنے سپاہیوں کے خون پر ہی جیتی جاتی ہے۔ وہی تو میں سرفراز رہتی ہیں جو جانوں کا نذرانہ دینے سے نہیں گھبراتی نہیں ہیں۔“ وہ دہنگ لہجے میں بولا۔

”مگر جنگ کے اصول و قوانین کا اطلاق ہم عام لوگوں پر کیسے کر سکتے ہیں؟“ چوتھے سفید نقاب پوش بڑے نے دہلی آواز میں کہا۔ ”اس نئی جنگی حربے سے بے شمار بوڑھے، بچے، عورتیں، مرد اس کی زد میں آئیں گے۔ بے شمار بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔“

”تمہیں ہماری سمیٹی کے فیصلوں پر شک ہے؟“ سرغنہ نے غراتے ہوئے بولا۔

”ہرگز نہیں۔ مجھے کسی بات پر شک نہیں۔“ چوتھا نقاب پوش دبک سا گیا۔ وہ دہلی آواز میں بولا۔

”ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کے حملے سے ہی جنگی قواعد و ضوابط بدل گئے تھے۔ ابھی تک جاپانیوں کی سلیبس اپناج پیدا ہو رہی ہیں۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے

تھی۔ اچانک اس کے ساتھی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔
”میں چین کی markets wet میں ضرور جا کر
تازہ مچھلی اور lobsters خریدوں گا۔ سنا ہے کہ ان کی
مچھلی اور lobsters بہت تازہ اور عمدہ ہوتے ہیں۔“
اس کے باریک ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ آگئی۔
اس نے اپنے ساتھی کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔
”فکر مت کرو۔ ہم اکٹھے ہی جائیں گے۔ میں تمہارا
گائیڈ بن کر جاؤں گا۔ میں کئی دفعہ وہاں آیا ہوا ہوں۔“
اس نے اپنے منصوبے پر عملدرآمد کے لئے مفصل لائحہ
عمل طے کر لیا تھا۔ اب وہ خواہشوار موڈ میں سیٹی بجا رہا تھا۔

❖❖❖

25 نومبر 2019 کی ایک سرد شام تھی۔ فین لی نے اپنی
کشتی واپس وہاں کی گودی کی طرف موڑتے ہوئے سوچا۔
”طبیعت کبھی پہلے تو ایسی کھٹکتی نہیں ہوتی تھی۔“

اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ درد کی لہریں اسے بے
حال کر رہی تھیں۔ وہ مشکل سے گودی تک پہنچی۔ اس کا سانس
اب دھونکی کی مانند چل رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے تیز
بخار چڑھ چکا تھا۔ اس کا جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ اس
نے مشکل سے اپنی کشتی کو باندھا، وہ کشتی سے نکلے ہی تیور کر
گئی اور بے ہوش ہو گئی۔ گودی میں ہلچل مچ گئی۔ آج صبح
سے یہ تیسرا کیس تھا۔ چھیرے ساحل کی طرف بیمار ہو کر
آ رہے تھے۔ ان کی بیماری کی وجہ نامعلوم تھی۔ اس کے ساتھی
اسے اٹھا کر قریبی ہسپتال سینٹر لے گئے۔ ڈاکٹر لوئی چن ابھی بھی
ڈیوٹی پر تھا۔ اس نے تشویش سے فین لی کی جانب دیکھا۔ صبح
سے یہ تیسرا کیس تھا جو گودی سے اس کے پاس لایا گیا
تھا۔ تمام کیسز کی علامات ملتی جلتی تھیں۔ اس نے تیسرا کیس
آتے ہی اسے فوراً ہائی انتہائی کورپورٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
اس نے خود بھی ماسک اور گلووز پہن لیے اور اپنے عملے کو بھی
ہدایات جاری کر دیں۔ اس کے ذہن میں وبا کا خوف منڈلا رہا
تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ انفلوئنزا نظر آنے والا مرض اس سے کچھ
مختلف تھا۔ اسے آسٹینش فلو سے ہونے والی تباہی یاد تھی۔ اس
نے تمام مریضوں کے خون کے نمونے لیے اور اپنے ماتحت
زنگ چن لی کو اس کے خواص معلوم کرنے کو کہا۔ شام تک تین
مریضوں میں سے ایک کی حالت بگڑ گئی۔ اس کے پیچھے دے
جواب دے گئے۔ ڈاکٹر لوئی چن کی کشادہ پیشانی پر سلوکیں

دل کے چور کو بھانپ لیا تھا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔
اس کی رنگت زرد ہو گئی۔ اس کے رونگٹے کھڑے
ہو گئے۔ فضائی میزبان نے مسکراتے ہوئے اسے پیپسی پکڑائی
تو اس کے تن بدن میں جان آئی۔ اس نے پیپسی کا ٹن لیا اور
چسکیاں بھرنے لگا۔ اس نے سوچا۔

”اس وقت میرے جیسے جیتے جاگتے کئی ٹائم بم کتنے
ہوائی جہازوں میں سفر کر رہے ہوں گے اور کتنے ایئر پورٹوں پر
بیٹھے ہوں گے۔ اسے وہ تمام احتیاطی تدابیر یاد آئیں جو اسے
چھوٹی سی نیلے رنگ کی وائل دیتے ہوئے اس کے پاس نے
اسے بتائی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ وائل چینی حکام نے پکڑ
لی تو اسے سرعام پھانسی لگا دی جائے گی۔“

اس نے جب سے دوولیم کی گولیاں نکال کر پھانسیں اور
کھڑکی سے سر نکال کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی وہ نیند
کی آغوش میں کھو گیا۔ جہاں وہ ہر فکر سے بے بہرہ تھا۔

اس کی آنکھ پانکٹ کی انانسمنٹ سے کھلی کہ جہاز جلد ہی
بیجنگ ایئر پورٹ اترنے والا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی واردت
سے بے خبر ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ اس
نے لمبا سانس لیا وہ جانتا تھا کہ بیجنگ سے اگلی فلائیٹ کہاں ہی
تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے چین تک پہنچانے کے لئے یہ ڈرامہ
رچایا گیا تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنے جذبات کو فرض کی
راہ میں ہرگز حائل نہیں ہونے دے گا۔ اس کے ضمیر نے ایک
آخری کوشش کرتے ہوئے اسے جھنجھوڑا۔

”کیا ایسی چیز اس نیلی وائل میں بند ہے جو چین جیسے
ملک کو اس کے نادیدہ آقاؤں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور
کر دے گی؟“

اس کی آنکھوں کے سامنے نیلی آنکھوں والی اس کی
خوبصورت بیوی اور معصوم بیٹی کی شبیہ لہرا گئی۔ جنہیں وہ نسلی
دے کر آیا تھا کہ دورہ مکمل ہوتے ہی وہ واپس ان کے پاس
آپہنچے گا۔ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنے سر کو جھٹکا اور جہاز
کی لینڈنگ کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا فرض اس کے ضمیر پر
بھاری تھا۔ اس نے اپنی نوکری قبول کرتے وقت عہد کیا تھا کہ وہ
اپنے ملک و قوم کے مفادات کی راہ میں ہر چیز قربان کر دے گا۔
پھر یہ تو صرف اس کا ضمیر تھا جس کا قتل آج اس نے کند چھری
سے کر دیا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں لائحہ عمل تیار کرنا شروع
کر دیا کہ وہاں میں اس نے اپنے کام کی ابتدا کہاں سے کرنی

”کچھ کامیابی ہوئی؟“
اس نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔
”یہ طے ہے کہ یہ وائرس ہے مگر اس کی مماثلت انفلوئنزا یا
سپینش فلو سے نہیں ہے۔“

اس نے اسے گھر جا کر چند گھنٹے آرام کرنے کی ہدایت کی
اور خود مائیکرو اسکوپ پر جھک گیا۔

زنگ چن لی جب رات کو واپس ڈیوٹی پر آیا تو اس نے
دیکھا ڈاکٹر لوئی چن کے چہرے پر تفکرات کی نشانیں بہت
گہری تھیں۔ وہ آرام کرسی پر ساکت و صامد بیٹھا تھا۔ اس کے
چہرے کی رنگت غیر معمولی طور پر زرد تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس
کے سامنے بڑی تفصیلی رپورٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کا
باس نا دیدہ بیماری کا کیس حل کر چکا تھا۔ اس نے رپورٹ اٹھا
کر پڑھنی شروع کی اور اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوئی گئی۔

”ڈاکٹر لوئی چن آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا لکھ رہے
ہیں؟ یہ بیماری کی تشخیص نہیں سزائے موت ہے۔ کیا ہم سب
اس عفریت کا لقمہ بننے والے ہیں؟“ اس کے ہاتھوں میں
لرزش بڑھ گئی۔ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کرونا نامی یہ وائرس 1930 کے عشرے میں مرغیوں
میں پھوٹا تھا۔ 1940 میں چوہے اس کا نشانہ بنے۔ 1960
میں انسانوں میں یہ وائرس نمودار ہوا۔ 2001 میں یہ وائرس
SARS کی شکل میں نمودار ہوا۔ مگر اس بار یہ وائرس بالکل
مختلف میوٹیشن کے ساتھ نمودار ہوا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر
اس پر قابو نہیں پایا گیا تو دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ اس سے متاثر
ہو جائے گا۔ لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں گے۔“ ڈاکٹر لوئی
چن نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

”آپ نے رپورٹ اعلیٰ حکام کو بھیج دی ہے؟“ زنگ چن
لی نے جھرجھری سی لی اور پوچھا۔

لوئی چن نے تھکے تھکے انداز میں سر ہلایا اور زنگ چن
لی کو کہا۔

”تم اب وائرس کو جان چکے ہو۔ وقت ضائع کئے بغیر
اب اس پر کام شروع کرو کہ ہم کوئی ویکسین بنا سکیں۔ کل
رات سے اب تک میں تین اموات کی خبر سن چکا ہوں۔
دوہان ویا کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ کل پرسوں تک حکومت
دوہان کو مکمل طور پر بند کر دے گی۔ میں نے حکومت کو
Quarantine اور Isolation کرنے کی ہی

آگئیں اس نے کبھی انفلوئنزا کے مریض کو اس تیزی سے گرتے
نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مریض کو وینٹی لیٹر پر ڈال دیا۔ وہ
ایک لائق فائق ڈاکٹر اور ریسرچر تھا۔ اس کے پیٹ میں خوف
سے گرہیں بڑ رہی تھیں۔ اس نے شفٹ ختم کی، نئے آنے
والے ڈاکٹر کو سختی سے IPPE استعمال کرنے کی ہدایت کرتے
ہوئے وہ بھاری دل سے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی
رات بھی بہت بے چین گزری۔ اس کی بیوی بھی ایک نرس
تھی۔ وہ دونوں ایک ہی ہسپتال سینٹر میں خدمات انجام دیتے
تھے۔ رات بھر وہ اس کی بے چینی محسوس کرتی رہی صبح تیار
ہوتے ہوئے وہ اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”ٹھیک لی! دعا کرو کہ میرے تفکرات غلط ہوں اور واقعی
میں سب کچھ ٹھیک ہو۔ مجھے یہ مریض کسی بڑے طوفان کی آمد
کے قریب محسوس ہو رہے ہیں۔“ وہ تفکرانہ انداز میں بولا۔

وہ دونوں ہی جلد تیار ہو کر ناشتہ کر کے گھر سے رخصت
ہو گئے۔ ہسپتال سینٹر پہنچ کر ایک عجیب و غریب صورتحال دیکھنے کو
ملی۔ بے شمار مریض ملتی جلتی علامات کے ساتھ ہسپتال سینٹر میں
موجود تھے۔ ہر طرف کھانتے، الٹیاں کرتے بیمار لوگوں کا جام غیر
تھا۔ ایک ہی رات میں ایک مریضوں کی تعداد بڑھ جانا کسی
بڑے خطرے کا پیش خیمہ تھی ڈاکٹر لوئی چن کی پیشانی پر تفکرات
کی لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔ اس نے اپنی ڈیوٹی شروع
کرنے کے بجائے ہسپتال سینٹر کے ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات کا
فیصلہ کیا۔ وہ جب اس کے کمرے میں پہنچا تو وہاں بھی اسے
ایک افراتفری کا سماں نظر آیا۔ تمام مددگار عملہ تیزی سے مصروف
عمل تھا۔ اس نے ڈائریکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے اجازت دیجیے کہ میں مریضوں کو دیکھنے کے بجائے
اس ہفتے مریضوں کے خون کے سپل پر تحقیق کر سکوں۔“

ڈائریکٹر ماہر چن تی جانتا تھا کہ ڈاکٹر لوئی ایک بہترین
ریسرچر تھا۔ وہ آگے تعلیم ہی جینیٹک وائرسز میں حاصل کر رہا
تھا۔ ڈائریکٹر کو اندازہ تھا کہ یہ قابل ڈاکٹر اگر اس سے اجازت
طلب کر رہا ہے تو ضرور اس کے پس پشت کوئی بات ضرور تھی جو
اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس نے اسے فوراً تحریری اجازت
نامہ لکھ کر دے دیا۔ ڈاکٹر لوئی چن تیزی سے اپنی لیبارٹری کی
طرف چل پڑا۔ اس نے دیکھا اس کا ماتحت زنگ چن لی سر پکڑ
کر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا لیب کوٹ، دستاں اور ماسک پہنتے
ہوئے اس سے پوچھا۔

چھ سالہ بیٹی اس سے وہاں کے متعلق سوالات پوچھتی رہی تھی۔ وہ اس کی معصومیت پر فدا ہوتا جاتا تھا۔ اس کی بیوی ٹریسا مقامی اسپتال میں نرس تھی۔ وہ واپس آ کر اپنی زندگی میں گمن تھا کہ اچانک جنوری 2020 کے اختتام پر اس کی بیوی نے ایک وبا کا ڈر کیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا شہر بلکہ پورا ملک اس وبا کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ پورے ملک میں لاک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ ہر گھر سے لاشیں اٹھ رہی تھیں۔ آج وہی وبا اس سے اپنا خراج وصول کر کے لے گئی تھی۔ اچانک کمرہ ان تمام لوگوں سے بھر گیا جو اس وبا کے ہاتھوں مرے تھے۔ سب سے آگے اس کی مرحوم بیوی اور بیٹی کھڑی تھیں۔ وہ دونوں اس کا گریبان پکڑ کر چلا میں۔

”قاتل..... آخر کیوں..... تم نے ایسے کیا؟“

تمام مردوں کی بے نور آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا ریوالور لوڈ کیا اور اپنی کپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی کی آواز کے بعد کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔

❖❖❖

چھ بڑے آج پھر میٹنگ روم میں اکٹھے تھے۔ ان سب کی توجہ ٹی وی کی طرف تھی۔ جہاں چینی حکومت کا ترجمان ایک اہم اعلان کر رہا تھا۔

چینی حکومت کے ترجمان نے وہاں میں کرونا نامی وائرس کی موجودگی کی اطلاع دیتے ہوئے یہ اطلاع دی کہ وہاں کو مکمل طور پر پھیل کر دیا گیا تھا۔ وہاں مدد کے لئے پورے چین سے دس ہزار ڈاکٹر، نرسز اور پیرامیڈیکل اسٹاف بھیج دیا گیا تھا۔

”نیو ورلڈ آرڈر کے نام۔“ بڑوں کے سرغنہ نے ہنستے ہوئے نعرہ لگایا۔

”نیو ورلڈ آرڈر کے نام۔“ باقیوں نے اس کے پیچھے پیچھے نعرہ لگایا۔

”آپ کا سرمایہ اب حرکت میں رہے گا۔ بہت جلد یہ کیڑے کوڑے اپنے گھٹنوں پر گر جائیں گے۔ آپ سے مدد کی بھیک مانگیں گے۔“ سرغنہ نے سیاہ نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”چین، ایران، روس اور بھارت کے ہلاک پر تو یہ ہتھیار موثر اثر کرے گا۔ مگر اس کا رخ جلد یورپ، امریکا اور آسٹریلیا کے براعظموں کی جانب بھی ہو جائے گا۔“ زرد نقاب پوش نے

ہدایات سمجھیں۔ اس وقت ہمارا دنیا سے کٹ جانے میں فلاح ہے۔ ہمارا ملک بہت زیادہ گنجان آباد ہے اگر یہ وبا پھیل گئی تو لاشوں کو جلانے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔“

زنگ چن لی بے اختیار ہی اس کے گلے لگ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا باس ایک عظیم سائنسدان اور ڈاکٹر تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اسے سیلوٹ کیا۔ ڈاکٹر لوئی چن نے مسکرا کر سر ہلایا اور کہا۔

”مادر وطن اور وطن کے باسیوں کی خدمت ہی ہمارا نصب العین ہے۔ میں کل سے ہیلتھ سینٹر کے وارڈ میں اور باقی وقت تحقیق میں صرف کروں گا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ڈٹ کر اس عفریت کا مقابلہ کریں۔“

❖❖❖

وہ پتھرایا ہوا ICU کے باہر بیٹھا تھا۔ اس کا ضمیر اس کے سامنے مجسم گھائل کھڑا اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس کی محبوب بیوی جو چھ ماہ کے حمل سے تھی چند گھنٹے قبل اس کے سامنے دم توڑ گئی تھی۔ وہ چنچٹا چلاتا رہا مگر اسے ICU کے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ وہ حسرت بھرے انداز میں اسے مسک سسک کر رخصت ہوتے دیکھتا رہا۔ اسی ICU وارڈ میں اس کی چھ سالہ بیٹی بھی وینٹی لیٹر پر تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کسی کے دامن میں لگائی آگ اس کے ملک تک کیسے پہنچ گئی تھی۔ وہ پشیمانی سے صرف ہاتھ مل رہا تھا۔ اچانک ایک ڈاکٹر نے اسے خبر سنائی کہ اس کی بیٹی بھی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ وہ برستی آنکھوں سے اٹھا اور ششے کی دیوار کے پار کھڑا ہو گیا۔ اس کی نفی اس پارسنس لینے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ اس کی چہرے کی رنگت نیلگوں ہو چکی تھی۔ اس کی معصوم خوبصورت آنکھیں ایک ہی سوال کر رہی تھیں۔

”ڈیڈی! تم کیسے قاتل ہو سکتے ہو؟“

اس کے سامنے سامنے اس کی بیٹی نے بھی دم توڑ دیا۔ وہ لرزتے قدموں سے گھر آ گیا۔ اس کے دماغ پر دھند سی طاری تھی۔ ڈاکٹر اسے بتا چکے تھے کہ اس کی محبوب بیوی اور بیٹی کی لاش جلا دی جائے گی کیونکہ وائرس کے مزید پھیلنے کا خطرہ تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا، گھر کی خاموشی نوحہ خواں تھی۔ وہ صوفے پر گر سا گیا۔ ابھی تین ماہ پہلے ہی تو وہ وہاں سے شاداں و فرحاں واپس آیا تھا۔ اس کے فرض کی تکمیل ہی اس کے لئے سب سے بڑی کامرانی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں والی معصوم

ہو لے سے کہا۔
”یہ تیسری جنگ عظیم کا آغاز ہے۔ ہم نے شہد کی مکھوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہے۔ جب مکھیاں غضب ناک ہوتی ہیں تو سب راہی بغیر کسی تخصیص کے ان کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔“ سفید نقاب پوش نے ہو لے سے کہا۔

”ہم اسر ہیں۔ ہم حاکم ہیں۔ ہمارے لئے صرف بادشاہت ہی لکھی ہے۔ ہم جہاں انگلی کا اشارہ کریں گے۔ وہیں مکھیاں محدود رہیں گی۔“ سرغنہ نے بے پروائی سے کہا۔
شیطان میز کے وسط پر شیطانیت کی نال پرعریاں ناچ رہا تھا۔ اس کی باجھوں سے لعاب نکل رہا تھا۔ اس کے پورے وجود پر ایک جذب اور مستی طاری تھی۔ اس کے چیلے اس کی ذہانت کو بھی مات دے رہے تھے۔

”بہت جلد دنیا بھر کی حکومتیں گھٹنے ٹیک دیں گی۔ ملکوں کی معیشتیں تباہ ہو جائیں گی۔ غریب مزید غریب ہو جائے گا۔ امیر بھی فقیر ہو جائے گا۔“ سرخ نقاب پوش نے برطانوی لہجے میں انگریزی بولتے ہوئے کہا۔

”یہ خوف کی جنگ ہے۔ ہم نے خوف کے ذریعے مکمل دنیا کو معذور کر دینا ہے۔ جہاز اڑنے بند ہو جائیں گے۔ تجارت رک جائے گی۔ ہر ملک کے ارباب اختیار صرف کروڑ نامی وظیفہ جیتے نظر آئیں گے۔ ہر طرف الاماں، الاماں کا شور بلند ہو جائے گا۔ ایسے میں ہم ویکسین مارکیٹ میں لائیں گے۔ دنیا بھر کا پیسہ ہم کمائیں گے۔“ سفید نقاب پوش نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہمارے دیئے گئے سرمائے کا سودا اتار تے اتار تے ان غلاموں کی تسلیں ختم ہو جائیں گی۔“ سیاہ نقاب پوش نے کہا۔
”میں نے کہا تھا نہ کہ جنگی حکمت عملی دماغ سے طے کی جاتی ہے۔ اب نیوکلیر ہتھیاروں کی ضرورت کس کو ہے؟ ہم جب چاہیں حیاتیاتی ہتھیاروں سے دنیا کو تہہ و بالا کر سکتے ہیں۔“ سرغنہ نے شیطانی انداز میں تہقہ لگاتے ہوئے کہا۔

”وہ مرنے پر آباد کاری کا منصوبہ کہاں تک پہنچا؟ سفید نقاب پوش نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”ہم تو زندگی کی الافانیت پر کام کر رہے ہیں۔ ہم کبھی مرنا نہیں چاہتے۔ تم صرف ابھی تک مرنے کی آباد کاری پر رکے ہوئے ہو۔۔۔۔۔۔ اوچھا سوچنا سیکھو۔“ سرغنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
شیطان کا رقص تیز ہو گیا، اسے یقین ہو چکا تھا کہ خاکی

اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود توڑنے پر تزل چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جلد ہی عذاب الہی ان کا مقدر بن جائے گا۔ اچانک سرغنہ کو کھانسی کا ٹھک سا لگا۔ تمام دیگر نقاب پوش بجلی کی سرعت سے پیچھے ہو گئے۔ اس نے سانس لینے کی جدوجہد کرتے ہوئے پانی کے لئے پکارا۔ مگر تمام زندگی سے پیار کرنے والے تاجر اس کے نام نہاد پانی ساتھی اپنی جانیں بچاتے اسے تنہا چھوڑ کر کمرے سے باہر جا چکے تھے۔ وہ اکھڑتی سانسوں سے اچانک اپنے سامنے ظاہر ہونے والے عزرائیل کو حیرت و دہشت سے دیکھنے لگا۔ عزرائیل کے ساتھ تومند سیاہ پوشوں کی ایک جماعت تھی۔ ان کے ہاتھوں میں آگ کے گرز تھے۔ اس نے دیکھا میز پر شیطان بھی موجود تھا۔ اس نے آنی والی جماعت کو دیکھا تو ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

”میں تو رب کریم سے ڈرتا ہوں۔ بھگت اپنے گناہوں کی سزا۔۔۔۔۔۔ میں تو چلا۔“

”تو۔۔۔۔۔۔ تو میرا سہارا تھا۔ تو ہی میرے کانوں میں سرگوشیوں میں خیالات ڈالتا تھا۔ مجھے تہامت چھوڑ۔ مجھے بچا لے۔ میں تیرے بہت کام آؤں گا۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔
”میرے گماشتے! تیری خدمت مجھے نہیں تک درکار تھی، تمہارا کام پورا ہوا۔“ مگر شیطان ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
”ہم امر ہیں۔ ہمارے لئے موت نہیں۔ کرونا میرے لئے نہیں ہے۔“ سرغنہ ہانپتے ہوئے بولا۔

”غلط! تم لڑ نہیں ہو۔ ورنہ آج تجھے میرا سامنا نہ کرنا پڑتا۔“ عزرائیل نے اس کے گلے پر گرفت قائم کرتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ دور سے جہنم دہکتی ہوئی آگ کی تپش وہ صاف محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ایک جمر جھری لے کر دم توڑ دیا اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہونے والا تھا۔

